Review Journal of Social Psychology & Social Works

http://socialworksreview.com

ISSN-E: 3006-4724 Volume: 4
ISSN-P: 3006-4716 Issue: 1 (January - March, 2026)

منیر احمد بادینی بحیثیت ڈرامہ نگار (ایک تجزیاتی مطالعہ)

Munir Ahmad Badini as a Drama Writer: An Analytical Study

Dr. Sharif Mir[1], Dr. Hamid Ali Baloch[2]

1. Lecturer, Institute of Balochi Language and Culture (IBLC), University of Turbat, Makran, Balochistan, Email: meersharif@gmail.com
2. Assistant Professor, Department of Balochi, University of Balochistan, Quetta. Email:Balochhamidali429@gmail.com

DOI: **https://doi.org/10.71145/rjsp.v4i1.540**

Abstract

Munir Ahmad Badini occupies a notable position in Balochi literature mainly as a fiction writer; however, his contribution to Balochi drama remains equally significant and merits academic attention. Vigorously engagement in drama writing since the 1970s, Badini wrote numerous radio and television dramas for Radio Pakistan Quetta and PTV Bolan, Quetta Centre. Though his fictional works grew wider acceptance, his dramatic works represent a critical depiction of the Baloch society. Majority of Badini's dramas are tragic in nature, reflecting the socio-cultural stiffnesses, moral dilemmas, and empirical struggles of Baloch life. His dramatic characters are deeply rooted in indigenous realities and represent the shared experiences of loss, resistance, and flexibility within Baloch society. Through tragic descriptions and complex characterizations, Badini discloses the fundamental causes of social grievances and highlights the structural challenges faced by the Baloch people. This paper illustrates the essence of Munir Ahmad Badini's dramatic works, with specific focus on tragic description and its social roles. By examining selected dramas, the study aims to prove how tragedy functions as a literary tool through which Badini enunciates social critique and conserves the Baloch cultural awareness.

Keywords: Balochi Literature, Balochi Drama, PTV Bolan, Radio Drama

منیر احمد بادینی بلوچی زبان و ادب کے سرخیل فکشن نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ بلوچی ادب میں اُن کی خاص پہچان ناول اور افسانہ نگاری ہے، مگر وہ ان کے علاوہ مضامین نویسی، سفر نامہ نویسی، بائیو گرافی نویسی اور ڈرامہ نویسی میں بھی طبع آزمائی کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اِن اصناف میں لکھنے کی کوشش کی ہے، بلکہ مقدار کے ساتھ ساتھ معیار کو بھی برقرار رکھا ہے۔ یوں کہا جائے تو بہتر ہو گا کہ ان کا شمار بلوچی زبان کے بہترین ڈرامہ نگاروں میں ہوتا ہے۔

انھوں نے پہلا ڈرامہ کب لکھا یا ان کا پہلا ڈرامہ کونسا ہے، یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ البتہ بلوچی زبان میں چھپے ہوئے میگزین کی ورق گردانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ستر (70) کی دہائی میں بلوچی ڈرامہ لکھنا شروع کیا۔ وہ خود کئی دفعہ اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ انھوں نے ڈرامہ ستر کی دہائی میں لکھنا شروع کیا تھا۔

بلوچی زبان کے محقق و دانشور پروفیسر صباد شتیاری اپنی بلوگرافی "بلوچی زبان ءُ لبزانک" جلد دوئم، ص19 میں منیر احمد بادینی کے کالم میں ان کے ڈراموں کی ستر کی بلوگرافک لِسٹ دیتے ہیں؛

"تنگوئیں بیچ، بلوچی، جنوری / فروری، 1979، ص 60-67۔

"یکے توبہ بکنت"، بلوچی اپریل، 1987، ص 60-82۔ (دشتیاری: 2007، 19)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈرامہ منیر احمد بادینی کی ابتدائی ادبی عشق میں سے ایک ہے۔ ان کے اکثر ڈرامے ستر (70) اور اسی (80) کے دہائی میں لکھے گئے ہیں ۔ڈاکٹر واحد بخش بزدار ان کے ابتدائی ادبی عشق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ،

"منیر احمد بادینی نے لکھنے کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ جب وہ میٹرک میں تھے تو افسانہ لکھتے لکھتے وہ ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاہم ناول نگاری کے ساتھ ساتھ افسانہ اور ڈرامہ لکھنے کا سلسلہ بھی چلتا رہا، لیکن منیر بادینی کا بنیادی حوالہ اور پہچان ناول نگاری ہے"(1)

1974 میں جب پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سنٹر قائم ہوا اور مادری زبانوں میں پروگرام اور ڈرامے نشر ہونا شروع ہوئے تو بلوچی میں بھی پروگرام اور ڈرامے ٹیلی کاسٹ ہونے لگے۔ اس دور کے ڈرامہ نگار اور لکھاریوں کی فہرست کو اگر دیکھا جائے تو منیر احمد بادینی کا نام سر فہرست نظر آتا ہے۔

مشہور ڈرامہ نگار ڈاکٹر علی دوست بلوچ پی ٹی وی اور بلوچی ڈراموں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"1974 میں پی ٹی وی کوئٹہ کا باقاعدہ آغاز ہوا تو دوسرے پروگراموں کے ساتھ ساتھ اردو، بلوچی، پشتو اور براہوئی زبان میں بھی ڈراموں کی ریکارڈنگ اور ٹیلی کاسٹ شروع ہوئی۔ بلوچی کے وہ ڈرامہ نویس جو ریڈیو ڈراموں کی وجہ سے مشہور ہوئے تھے انھوں نے پی ٹی وی کے لئے بھی ڈرامہ لکھنا شروع کیا، گو کہ اس زمانے میں پی ٹی وی اپنے ابتدائی مراحل میں تھا مگر بہت بہترین ڈرامے لکھے گئے۔ ان ڈرامہ نویسوں میں عطا شاد، منیر احمد بادینی، محمد ایوب بلوچ اور غوث بخش صابر کے نام سر فہرست اور اہم ہیں۔(2)

اس کا مطلب ہے کہ منیر احمد بادینی نے مختلف محلوں کے علاوہ ریڈیو پاکستان کوئٹہ کے لئے بھی ڈرامے لکھے ہیں اور وہ ڈرامے ابھی تک کسی محقق کی نظر سے نہیں گزرے ہیں اور منظر عام پہ نہیں آئے ہیں یا ریڈیو پاکستان کوئٹہ کی پرانی فائلوں میں گم ہو گئے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے منیر احمد بادینی سے ایک انٹرویو کے دوران ان کے ریڈیو اور پی ٹی کے ڈراموں کے بارے میں پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اپنا پہلا ڈرامہ کونسا لکھا اور پہلے میں نے ریڈیو کے لئے لکھا یا ٹی وی کے لئے البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے زیادہ پی ٹی وی کے لئے لکھا ہے اور میرے اکثر ڈرامے ستر اور اسی کی دہائی میں لکھے گئے ہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ ماہانہ بلوچی کے جن دو ڈراموں کا حوالہ آپ دے رہے ہیں وہ میرے پرانے ریکارڈ میں موود ہوں گے کیونکہ میں اکثر اپنی تخلیقات کا ریکارڈ اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔

شرف شاد اپنے تحقیقی مقالہ جو بعد میں کتابی صورت میں چھپ چکی ہے، میں منیر احمد بادینی اور ان کی ڈرامہ نگاری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"دوسرے اصناف ادب کی طرح منیر احمد بادینی نے ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ بلوچی ادب میں ڈراموں کی تاریخ پہ اچھی طرح سے ابھی تک کام نہیں ہوا ہے، اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ منیر احمد بادینی نے اپنا پہلا ڈرامہ کب لکھا، اور وہ چھپ چکا ہے یا ریڈیو پہ نشر ہوا ہے یا ٹی وی پہ ٹیلی کاسٹ ہو چکا ہے (3)"

آگے چل کر شرف شاد پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے ڈراموں کے حوالے سے لکھتے ہیں اور مرحوم اثیر عبدالقادر شاہوانی کے حوالے سے منیر احمد بادینی کے ٹی وی ڈراموں کی بات کرتے ہیں مگر وہ ان ڈراموں اور ان کے نشر ہونے کی اوقات اور سال کے حوالے سے کچھ نہیں بتاتے۔ وہ منیر احمد بادینی کے دو اور ڈراموں کا تذکرہ اِس طرح کرتے ہیں۔

"شاہوانی (اثیر عبدالقادر شاہوانی) کی دِی ہوئی لسٹ جن میں وہ ڈرامے شامل ہیں جو پی ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہوئے ہیں۔ اس لسٹ میں منیر احمد بادینی کے دو ڈرامے "ماس ءِ ارس" اور "شکست" بھی شامل ہیں۔ پی ٹی وی پر نشر ہونے والے ان ڈراموں کے نشر ہونے کے ٹائم اور سال معلوم نہیں اور نہ ہی منیر احمد بادینی کے ڈراموں پہ کوئی خاص تحقیقی کام ہوا ہے، جس سے ان کی ڈرامہ نگاری کا فن واضح ہو جائے"(4)

منیر احمد بادینی کا اب تک بلوچی ڈراموں کی ایک کتاب "امشپی سرونزنالنت" کے نام سے سال 2010 کو نیو کالج پبلی کیشن کوئٹہ کی طرف سے چھپ چکی ہے۔ اس کتاب میں کل تین ڈرامے شامل ہیں۔ علاوہ اس کے ایک اور اردو ڈرامہ "اجنبی" کے نام سے بھی چھپ چکا ہے۔

ان کے ڈراموں کے حوالے سے ڈاکٹر رحیم بخش مہر اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

"بلوچی زبان میں منیر احمد بادینی کی ایک کتاب ڈراموں کی بھی چھپ چکی ہے جس کا نام "امشپی سرونزنالنت" ہے۔ اس کتاب میں ان کے تین ڈرامے "امشپی سرونزنالنت"، "وھدءِ چلشت" اور "تہاریانی زورآوری" شامل ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ ان کے دو اور ڈراموں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، جن میں "یکے توبہ بکنت" کے ٹائیٹل سے ماہنامہ بلوچی اپریل 1987 کو چھپ چکا ہے اور دوسرا "تنگوئیں بیچ" کے عنوان سے ماہنامہ بلوچی

ہی میں جنوری فروری 1979 کو چھپ چکا ہے۔ ان دو ڈراموں کے علاوہ بھی ایک اور ڈرامہ اردو میں "اجنبی" کے نام سے کتابی صورت میں چھپ چکا ہے"(5)

منیر احمد بادینی نے جو ڈرامہ اردو میں پاکستان ٹیلی ویژن کے لئے "اجنبی" کے نام سے لکھا تھا وہ ٹیلی کاسٹ نہیں ہو سکا۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ یہ ڈرامہ کچھ تکنیکی وجوہات کی بنا پہ نشر نہیں ہو سکا، مگر انھوں نے وہ تکنیکی وجوہات کا ذکر نہیں کیا ہے کہ وہ کیا تھے۔ شاید اس کی وجہ اس ڈرامہ میں کرداروں کی تبدیلی ہو، کیونکہ منیر احمد بادینی کئی دفعہ ذکر کر چکے ہیں کہ ان کے لئے سب سے مشکل عمل اپنی لکھی ہوئی تخلیق میں ترمیم لانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر تخلیق میں تبدیلی لائی جائے تو اس میں وہ چاشنی نہیں رہتی اور اس کا مزہ کھرے کا کھرا رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب "اجنبی" میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"95-1994 اجنبی ڈرامہ پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سینٹر کے لئے تحریر کیا گیا تھا، جس کی ریڈیائی تشکیل چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر نہ ہو سکی"(6)

"امشپی سرونزنالنت "منیر احمد بادینی کا سب سے مشہور ڈرامہ ہے، یہ ڈرامہ اس کتاب کا سب سے زیادہ مشہور ڈرامہ بھی ہے، اس لئے لکھاری نے کتاب کا نام بھی اسی ڈرامہ کے ٹائیٹل پہ رکھا ہے۔ اس مجموعے میں بنیادی طور پر تین ڈرامے شامل ہیں۔ یہ کتاب سال 2010 کو نیو کالج پبلی کیشن کوئٹہ کی طرف سے چھپ چکی ہے۔ بنیادی طور پر اس ڈرامے کے دس کردار ہیں، جن میں زامران، عبداللہ، بوہیر، سنجر، مراد، ایدل، آمنہ (ایمنہ)، صاحب داد، راجی اور دُرخاتون شامل ہیں۔

موضوعاتی حساب سے یہ ڈرامہ بلوچستان کے قبائلی معاشرے پر لکھا گیا ہے۔ بلوچستان چونکہ ایک قبائلی معاشرہ اور صوبہ ہے اور یہاں بسنے والے لوگ قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخوں، طائفہ اور گروہوں میں منقسم ہیں۔ یہ ذیلی طائفے، شاخ اور گروہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ قبائلی دشمنی اور رنجشیں بھی رکھتے ہیں۔ منیر احمد بادینی نے بھی اس ڈرامے میں بنیادی طور پر انہی قبائلی رنجشوں کو موضوع بحث بنا کر یہ ڈرامہ لکھا ہے۔ یہ ڈرامہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح آپس کی معمولی بات، تکرار اور رنجش بڑی بڑی خونی لڑائیوں کا سبب بنتی ہیں۔

"امشپی سرونزنالنت "کی مرکزی کردار زامران، ایدل اور سنجر ہیں، مگر کہانی میں دوسرے چھوٹے کردار بھی شامل ہیں جو ڈرامے کو آگے بڑھانے میں مرکزی کردار کی مدد کرتے ہیں۔ باقی کردار اتنے اہم نہیں اور ان کا کوئی خاص رول نہیں۔ دوسری طرف منیر احمد بادینی نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ وہ اس ڈرامے کی کہانی کو جنگ زدہ ماحول اور قبائلی معاشرت سے نکالے تاکہ کہانی میں بوریت اور اکتاہٹ ختم ہو جائے اس لئے انھوں نے کہانی کے آخر میں رومانوی ٹچ دینے کی ناکام کوشش بھی کی ہے اور کردار ایدل کی زندگی میں راجی نام کی ایک لڑکی کو لے آتے ہیں مگر ان دونوں کی محبت کی کہانی آگے نہیں بڑھ پاتی اور کہانی ختم ہو جاتی ہے۔

ڈرامے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ زامران ایک بیوروکریٹ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ہیں اور بلوچستان کے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ کے سول سیکریٹریٹ میں نوکری کرتے ہیں۔ ان کا بڑا بھائی گاؤں میں رہتا ہے اور وہاں کے قبائلی معاشرے میں ایک قبائلی فیصلے کے دوران سنجر نامی کردار کے ساتھ ایک معمولی بات پہ تکرار اور مونہہ ماری کے بعد ان کو قتل کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ ان کو قتل کرنا نہیں چاہتے، مگر وہ کھینچا تانی میں سانس بند ہونے سے مر جاتے ہیں۔ ان کے خاندان، قبیلے والے اور بیٹا ایدل پر کوئی کیس اور عدالتی کاروائی نہیں کرتے اور نہ پولیس تھانے میں کوئی ایف آئی آر کرواتے ہیں، البتہ پولیس عام کاروائی کی طرح بوہیر کو گرفتار کر کے حوالات میں کچھ دنوں کے لئے بند کر دیتی ہے اور اپنی معمول کی کاغذی کاروائی پوری کر دیتی ہے۔

ڈرامے کی ابتدا کچھ اس طرح سے ہوتی ہے۔

> "دفتر کے اندر ہر چیز ایک خاص ترتیب سے رکھی ہوئی ہے، صاف ستھرا، آفس کے شمالی جانب کھڑکیوں پر پردے لگے ہوئے ہیں۔ انہی پردوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی میز رکھی ہوئی ہے س پر قلم، کاغذ اور کچھ فائلیں رکھی ہوئی ہیں۔ جنوبی سائیڈ پر دیوار کے ساتھ کچھ کرسیاں رکھی ہوئی ہیں، مشرقی جانب دروازہ کوریڈور کے اندر جا کے کھل جاتا ہے اور مغربی جانب غسل خانہ ہے، جس پر ایک اور پردہ لگا ہوا ہے۔ زامران ایک نوجوان اپنے کرسی پر بیٹھا کام کر رہا ہے"(7)

منیر احمد بادینی منظر نگاری کے فن کے ماہر ہیں۔ انکو کہانی اور کرداروں کے حساب سے چیزوں کو بیان کرنے کا فن بھی اچھی طرح سے آتا ہے، وہ خود چونکہ بیوروکریٹ رہے ہیں اس لئے ان کو پتہ ہے کہ ایک سیکریٹری کے دفتر کا جغرافیہ کس طرح ہوتا ہے۔ ڈرامے کا سب سے جاندار اور اہم کردار چونکہ زامران ہے اس لئے انھوں نے ڈرامے کی کہانی کی ابتدا زامران اور صوبائی سول سیکریٹریٹ میں ان کے دفتر سے کیا ہے۔ عبداللہ زامران کا دوست اور ماتحت بھی ہے اور ان کے اپنے علاقے کا باسی بھی ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ اس کی دوستی زیادہ ہے۔ عبداللہ کو اس پورے مسئلے کا علم بھی ہے۔ اس لئے وہ زامران کو تسلی دینے کے لئے ان کے آفس بھی آتے ہیں اور اسی معاملے پر ان کے ساتھ دنیا کی بدلتی ہوئی ضروریات اور قبائلی نظام پر بحث بھی کرتے ہیں۔

"عبداللہ: یقین کرلو ہمیں بہت دکھ ہوا، جب ہم نے سنا کہ آپ اور بوہیر والوں کی دشمنی اس حد تک جا پہنچی ہے کہ سنجر کو قتل کر دیا گیا! کسی کو یقین نہیں آتا۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ قصور کس کا تھا اور کس کا نہیں تھا۔! ہماری قوم اور قبیلوں کی رشتے داریاں بھی بڑی عجیب ہیں۔ سنجر کو قتل کر دیا گیا ہو یا آپ کا بھائی بوہیر کو۔ حساب ایک جیسا ہے۔"(8)

مگر عبداللہ کی تسلی سے وہ مطمئن نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ایدل اور ان کے خاندان والوں کا کہنا ہے کہ وہ اپنا بدلہ لیں گے اور ضرور لیں گے۔ بدلہ ان کے خاندان کے کسی بڑے اور سرکردہ بندے سے لیں گے تاکہ ان کو ہمارے نقصان کا اندازہ ہو جائے۔ یہ بات زامران کے لیے نہایت پریشان کن ہے کیونکہ وہ بوہیر کا چھوٹا بھائی ہے اور سرکاری بیوروکریٹ بھی ہے۔ وہ اپنے دل میں یہ بات جان چکے ہیں کہ خاندان میں سرکردہ اور چنیدہ بندہ صرف اور صرف وہ ہی ہیں اس لئے زامران کو ایک خوف اور بے چینی لاحق ہوتی ہے کہ کہیں بھی اور کسی بھی وقت ان کے دشمن انہیں ماریں گے، گو کہ اس مشکل وقت میں ان کا ماتحت اور دوست عبداللہ ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو تسلی بھی دیتے ہیں کہ آپ جس طرح سوچتے ہیں اس طرح ہوتا نہیں ہے۔ آپ کا دشمن بھی سمجھدار ہے اور وہ اس طرح نہیں کرسکتے کہ بوہیر کی لڑائی میں آپ کو مار دیں۔ آپ کا اس میں کیا قصور ہے مگر اس کے باوجود وہ مانتا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ بندہ ہے اور وہ بلوچ، بلوچ معاشرہ اور ان کی قبائلی بغض، عناد اور بدلے کی آگ کی تپش کو اچھی طرح سے جانتے ہیں اس لئے ان کو یقین ہے کہ اگر وہ بدلے میں کسی کو ماریں گے تو وہ میں یعنی کہ زامران ہی ہوں گا۔

"زامران ان کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے! ہم اور آپ ایک اچھے دور میں پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ ہمیں اس سے پہلے پیدا ہونا چاہیے تھا کہ جب یہاں قبائلی اور تمن داری نظام اپنے جوبن پہ تھا یا ہمیں آنے والے دور میں پیدا ہونا چاہیے تھا جب سائنس، ٹیکنالوجی، فن، فلسفہ اور مذہب انسان کی خوشحالی اور بہبود کا گیت گا رہا ہو۔ ہم ایک درمیانہ دور میں پیدا ہوئے ہیں، گو کہ میں اور آپ تعلیم یافتہ ہیں مگر سچ بات تو یہ ہے کہ میری، آپ کی اور ایک قبائلی شخص کی نفسیات میں کوئی فرق نہیں"(9)

اس ڈرامے کا ایک اہم کردار جو انتہائی مثبت اور اچھی سوچ رکھتا ہے اور اس کی کوشش ہے کہ وہ اور اُس کے خاندان کے لوگ قبائلی بدلہ اور اس کی آگ سے نکل کے ایک روشن مستقبل کی طرف سفر کریں۔ اس کردار کا نام "صاحبداد" ہے۔ اس کردار کو ایک ماڈل کردار کے طور پر منیر احمد بادینی نے اس ڈرامے میں پیش کیا ہے۔ صاحبداد سنجر کا بھائی اور ایدل کا چچا ہے۔ وہ اکثر ایدل کے ساتھ بیٹھ کر ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ آگے بڑھو، زندگی باپ کا بدلہ نہیں ہے، اللہ پاک آپ کے ابو کا بدلہ خود لے گا۔ آپ پڑھ لو، اپنی سوسائٹی کے لیے کچھ کر کے دکھاؤ، یہ خود ایک بدلہ ہو گا ان لوگوں کے لئے، مگر ایدل اُسے کہتے ہیں کہ آپ ڈرتے ہیں اور آپ کو خدشہ ہے کہ اگر میں زامران کو قتل کروں تو ان کے خاندان والے بدلے میں آپ کو ماریں گے۔ آپ اپنے آپ کو بچانے کے چکر میں روز آ کے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر صاحبداد اپنی دفاع نہیں کرتے اور اپنے غصے کو کنٹرول کرے کے دوبارہ ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

"صاحب داد: ایدل مجھے پتہ نہیں کہ آپ میری باتوں کو کیا معنی دو گے؟ لیکن میں اپنے دل کی بات کہتا ہوں، کیونکہ آپ میرے مرحوم بھائی کے بیٹے ہو، اور خدا گواہ ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں، دل سے کہتا ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کو میری باتوں پہ یقین نہیں آتا ہے۔ لیکن میرے بیٹے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے ابو کے قتل نے جس طرح آپ کو رُلا کے راکھ کر دیا ہے اسی طرح مجھے بھی، (وہ دیوار پہ لگے ہوئے اپنے بھائی کی تصویر کو دیکھتا ہے) لیکن میں آپ کے مستقبل کے بارے میں زیادہ فکر مند ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ جذبات میں آ کے اپنے باپ کے بدلے میں کسی اور کو قتل کر دو"(10)

ڈرامے میں اچانک ایک ٹوئسٹ آجاتا ہے، جب ایدل کی زندگی میں راجی نامی ایک لڑکی داخل ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کو ایک اور زاویے سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سکون سے جینے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی زندگی اور میوزک کے شوق کو انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے دشمنوں کو معاف کرے اور راجی نامی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے ایک نئی زندگی کی شروعات کرے۔

"ایدل: کون ہو آپ؟

راجی: میں۔۔ میں آپ کی دوست۔۔ محبت۔۔ مہ گونگ۔

ایدل: آپ کہاں سے۔۔؟

راجی: یہیں پہ۔۔ آپ کے گھر میں!

ایدل: لیکن مجھے یقین نہیں آرہا۔۔ راجی!

راجی: آپ کو یقین آرہا کہ میں راجی ہوں؟

ایدل: لیکن اس رات کو آپ اکیلے۔۔۔یک و تنہا۔۔۔!(11)

ڈرامے کا کردار ایدل ایک دن اپنے یار دوستوں کے ساتھ سول سیکریٹریٹ کوئٹہ چلے جاتے ہیں اور زامران کی نگاہ ان پر پڑتی ہے۔زامران کو یقین آجاتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں کے ساتھ مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔حالانکہ ان کا دوست اور ماتحت عبداللہ ان کو لاکھ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اور وہ کسی اور کام کے لئے آئے ہوئے ہوں گے، مگر ایدل کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔وہ سوچتا ہے کہ کیوں ایدل اور ان کے لوگوں کے ہاتھوں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔اس سے بہتر ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اپنے آپ کو خود ختم کر دوں، لہٰذا وہ اپنی جیب سے کچھ نکال کے پانی میں ڈال کے پی لیتا ہے اور نیچے گر جاتا ہے۔جب اس کا دوست عبداللہ واپس ان کے دفتر آجاتے ہیں تب تک وہ مر چکا ہوتا ہے۔

"یہی ہے ایدل۔۔نوجوان یہی ہے وہ نوجوان کہ جس کے ابو سنجر کو میرے بھائی بوہیر نے ایک معمولی اور چھوٹی سی بات پر قتل کر دیا تھا اور آج وہی نوجوان اپنے ابو کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے یہاں آکے کھڑا ہے اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ اس کے ابو کا بدلہ صرف میں ہوں، کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ہمارے خاندان کا تعلیم یافتہ اور سر کردہ شخص صرف اور صرف میں ہی ہوں اور یہی ہماری روایت ہے کہ ہم اپنے دشمن کی آنکھ نقصان پہنچاتے ہیں۔دشمن کی آنکھ کو نقص پہنچانے سے ہمارا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے" (12)

ڈرامہ نگار اصل میں زندگی کا فلسفہ اور ہمارے معاشرے میں قبائلی نفسیات کو دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ان کا مطلب یہ ہے کہ قبائلی معاشرے میں ہر مسئلے کو اجتماعی زاویے سے دیکھا جاتا ہے، یعنی کہ گناہ کسی ایک نے کیا ہے مگر اس کی سزا خاندان، طائفہ اور قبیلہ کو دی جاتی ہے۔قبائلی معاشرہ یہ سوچتا ہے کہ دشمن کو کیسے معاشرتی ،معاشی اور خاندانی حساب سے کمزور کیا جائے۔اس لئے ایدل اور اس کے خاندان والے زامران کے پیچھے پڑے ہوئے تھے، مگر دوسری طرف کی نفسیات بھی ان سے مختلف نہیں تھی۔زامران اور ان کے خاندان والے بھی ذہنی طور پر تیار ہو چکے تھے کہ اگر وہ بدلہ لیں گے تو وہ زامران ہی ہو گا، کیونکہ ڈرامے کی منظر نگاری، ڈائیلاگ اور گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کی آنکھ کو نقص پہنچانے سے دل ٹھنڈا ہوتا ہے۔یہ قبائلی اور خاص کر بلوچستان میں قبائلی بدلے کی نفسیات اور اصول ہے۔

"زامران چپ چاپ باہر دیکھنے لگا، دیر تک باہر دیکھنے کے بعد اس نے کاغذ کے ایک چھوٹے ٹکڑے پہ کچھ لکھا اور پھر اسے پڑھا، پھر وہ سوچنے لگا اور اپنے جیب سے کچھ نکالا۔جگ سے ایک گلاس پانی لیا اور جیب سے ایک چیز نکال کر گلاس میں ڈال دیا اور جلدی پی لیا اور پھر وہ اسی کرسی سے گر کر مر گیا۔کچھ دیر بعد جب عبداللہ واپس آئے تو اسے نیچے گرا ہوا دیکھتے ہیں اور اُسے جگانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر وہ مر چکے ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک کاغذ کا چھوٹا ٹکڑا پڑا ہوتا ہے۔وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر پڑھتے ہیں، جس پر لکھا ہوتا ہے کہ ایدل کے ہاتھوں مرنے سے بہتر ہے کہ خود کو اپنے ہی ہاتھوں ختم کر دوں"(13)

زامران کے مرنے کے بعد ایدل بذات خود مطمئن ہو جاتا ہے اور اکثر اپنے چچا صاحب داد کے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ سچ کہتا تھا کہ بدلہ اللہ تعالیٰ خود لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زامران کی فیملی والوں سے ان کی خودکشی کی صورت میں بدلہ لے لیا، لہٰذا وہ اپنے آپ کو زندگی کی رنگینیوں میں مصروف رکھتا ہے۔

زامران کا بھائی جیل سے باہر آنے کے بعد سوچتے ہیں کہ ان کے بھائی کا اصل قاتل ایدل ہے کیونکہ زامران نے خود اپنی خوشی سے خودکشی نہیں کی ہے، بلکہ وہ ایدل کی وجہ سے ڈر گیا تھا۔ وہ ایک دن اچانک ایدل کے گھر ان کے مہمان خانہ میں نمودار ہو جاتے ہیں اور دونوں میں بحث و تکرار شروع ہو جاتی ہے۔اسی بحث و تکرار میں ایدل ان کو کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو اپنے بابا جان کا خون معاف کیا ہے اور میں بدلہ لینا ہی نہیں چاہتا ہوں، مگر بوہیر اُن کی اِن باتوں سے مطمئن نہیں ہوتے ہیں اور غصے اور غضب سے کہتے ہیں کہ زامران کا خون آپ ہی نے کیا ہے اور وہ آپ ہی کے ڈر سے اُس نے خودکشی کی ہے۔وہ بہادر، تعلیم یافتہ اور مضبوط اعصاب کا مالک تھا، آگے جھپٹ کے ایدل کو دبوچ لیتا ہے، اس کی سانس بند ہو جاتی ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔پَس منظر سے وہی میوزک بجنے لگ جاتا ہے، جسے ایدل روز اپنے گھر بجایا کرتا تھا۔

"بوہیر آگے آکر ایدل کا گلا پکڑ لیتا ہے، اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو جاتی ہیں، وہ اپنا خنجر نکال کر اس کے پیٹ میں گھسا دیتا ہے۔جب ایدل کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو وہ اپنا چادر اٹھاتا ہے۔کندھوں میں ڈال کر دروازے سے نکل کر روانہ ہو جاتے ہیں" (14)

منیر احمد بادینی زندگی کی روانی کو اکثر اپنے افسانے، ناول اور ڈراموں میں بیان کرتے ہیں۔وہ زندگی کو ویسے ہی پیش کرتے ہیں، جس ڈگر پہ وہ چل رہی ہے۔وہ کبھی کوشش ہی نہیں کرتے کہ وہ زندگی کی کسی اور پہلو کو بیان کرے۔اس کے اکثر ڈرامے انسانی دکھ، غم اور ان حسرتوں کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔وہ اکثر اپنے انٹرویوز میں بھی کہہ چکے ہیں کہ زندگی کی روانی پہ کسی کا کنٹرول نہیں اور نہ ہی کوئی اسے کو کنٹرول کر سکتا ہے۔وہ ہمیشہ زندگی کی ٹریجڈی کو بیان کرتے ہیں۔اگر ہم یہ کہیں کہ ان کے اکثر ڈرامے ٹریجڈی ہیں تو غلط نہیں ہو گا۔

"منیر احمد بادینی کے ڈراموں کو افلاطونی نظریے سے دیکھیں تو وہ مکمل طور پر ٹریجڈی ہیں اور یہ منیر احمد بادینی کے ڈرامائی نظریے سے مطابقت بھی رکھتے ہیں۔ بادینی کے فن کو مضبوط موضوع زندگی کی ہنگامیت اور وقت کی روانی کہا جات ہے۔ زندگی کے ہنگامے، شور شرابے اور وقت کی روانی میں کوئی چیز ایک جیسی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے، یہی ہنگامیت، بے قراری اور شور شرابے زندگی کی ٹریجڈی کی صورت میں سامنے آتے ہیں"(15)

منیر احمد بادینی کا ایک اور مشہور ڈرامہ " وھدءِ چلشت"ہے۔یہ ڈرامہ 1977 ء میں لکھا گیا ۔یہ ڈرامہ سول سیکریٹریٹ بلوچستان ،صوبائی حکومت ،پروموشن، سرکاری نوکری، سینئر اور جونیئر پوزیشن ،امن و امان، سرکاری افسران کی آپسی رنجشوں جیسی موضوعات پہ لکھا گیا ہے ۔منیر احمد بادینی چونکہ خود سرکاری بیوروکریٹ رہ چکے ہیں، اُن سے بہتر کوئی اس نوکری اور خوشامدی فن کو نہیں جانتا۔منیر احمد بادینی نے اس ڈرامے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس ملک میں اور خصوصا بلوچستان میں سفارش کلچر، خوش آمد، آؤ بھگت، چمچہ گیری، جاگیریت اور سرداریت نے نوجوان نسل کو مایوس کر دیا ہے، جس کی وجہ سے نوجوان نسل تعمیریت کی بجائے تخریبیت کی جانب مائل ہونے پر مجبور ہو گئی ہے۔

منیر احمد بادینی کا ایک اور ڈرامہ "تہاریانی زورآوری" ہے۔ اس ڈرامے کے ٹوٹل گیارہ کردار ہیں جن میں بوہیر ،اکبر، مجسٹریٹ، جیلر، دوسرا قیدی، ہمگونگ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل اور تین پولیس سپاہی شامل ہیں۔اس ڈرامے کے بارے میں وثوق سے کہا نہیں جاسکتا کہ یہ کب منیر احمد بادینی نے لکھا ہے۔

یہ ڈرامہ بنیادی طور پر محبت کی ایک کہانی پہ لکھا گیا ہے، مگر اس میں انسان کی اندر کی غلاظت اور ان کے دوغلاپن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس ڈرامے کے تین اہم اور مرکزی کردار اکبر، بوہیر اور ہمگونگ ہیں اور کہانی انہی تین کرداروں کے گرد گھوم کے ایک ٹریجڈی کے ساتھ اختتام پزیر ہو جاتا ہے۔اس ڈرامے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ بوہیر ہمگونگ کو بہت پیار کرتے ہیں۔ڈرامے کی ابتدا میں ہمگونگ کی پیکر طرازی کر کے انہیں بہت خوبصورت دکھایا گیا ہے۔

"سمندر کے کنارے، میوزک کی آواز، پرندوں کی اُڑان، سمندر کی لہریں آگے پیچھے ہو رہی ہیں، دور دور تک سمندری کشتیاں نظر آرہی ہیں اور ہمگونگ سمندر کی لہروں کے ساتھ شرارت کر رہی ہے ،جب وہ گرتی ہے تو بوہیر ان کو باہوں میں لے کر اٹھاتا ہے اور وہ دونوں دیر تک سمندر کی لہروں کے ساتھ کھیل کر ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں"(16)

مگر ڈرامے کی کہانی کا المیہ یہ ہے کہ لڑکی کی خوبصورتی کی وجہ سے بوہیر کا دوست اکبر بھی ان پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔منیر احمد بادینی چونکہ خود ٹریجڈی رائیٹر ہیں اور المیے کو ہی پسند کرتے ہیں، اس لئے وہ اس فن میں مہارت بھی رکھتے ہیں، اور اپنی کہانیوں میں کسی نہ کسی طرح انسانی المیے کو منظر عام پر لانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ کہانی کے لئے ضروری ہے کہ بوہیر کے مدمقابل کوئی دوسرا کردار ہو تاکہ کہانی کو ایک المیے کے ساتھ ختم کیا جاتا۔ دوسری بات یہ کہ لکھاری جس انسانی المیے کو اس ڈرامے میں دکھانا چاہتے ہیں وہ انسانی زندگی کی روانی اور ہنگامیت (ہنگامہ) ہے۔اس ہنگامے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کرداروں کو زندگی کے المیوں کو ڈرامے کا حصہ بنائے، اس لئے وہ ان تمام واقعات اور رویوں کو ساتھ لے کے اپنی کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

ڈرامے کا دوسرا اہم کردار اکبر اپنی چاہت کو روک نہیں سکتا اور ان کے ساتھ چھپ چھپ کر ملتے رہتے ہیں اور بالا آخر اپنے پیار کا اظہار بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شادی کر کے اسے زندگی کی ساری خوشیاں دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔وہ اپنے الفاظ کے جادو سے ہمگونگ کو ایسا پیار دیتے ہیں کہ وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کیا کروں، کس سے شادی کروں، کون مجھے زیادہ چاہتا ہے، اکبر یا بوہیر اور کس کا پیار سچا ہے؟

"ہمگونگ (سوچتے ہوئے) یا خدا بوہیر اور اکبر دونوں میں سے کون مجھے زیادہ چاہتا ہے؟ بوہیر یا اکبر؟ اکبر کا پیار دیکھو کہ اس نے اپنے دوست کی پرواہ نہیں کی، حالانکہ بوہیر کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کا دوست اکبر ان کی محبوبہ ہمگونگ سے پیار کرتا ہے تو وہ ایک ہنگامہ اور فساد برپا کرے گا، ان کی بچپن کی یاری اور دوستی ختم ہو جائے گی"(17)

مگر ان حالات کے باوجود وہ اکبر اور بوہیر دونوں سے ملتی رہتی ہے اور دونوں کو پیار کرتی ہے۔ایک دن اکبر اور ہمگونگ کی ملاقات ہو رہی ہوتی ہے کہ بوہیر ان کو دیکھ لیتا ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے اور واپس چلا جاتا ہے اور اس بات کو اپنے آپ تک محدود رکھتا ہے۔وہ اپنی محبوبہ ہمگونگ کو منع کر سکتا تھا کہ وہ اکبر سے کیوں ملتی ہے اور اکبر کو بھی کہ آپ میری محبوبہ سے کیوں ملتے ہیں، مگر وہ ایسا نہیں کرتے اور اندر ہی اندر جلتا رہتا ہے۔وہ منصوبہ بنا رہا ہوتا ہے کہ کس طرح اکبر کو اپنے راستے سے ہٹایا جائے، دوسری طرف اس کے دوست اکبر کو بھی شک نہیں ہوتا۔

بوہیر ایک دن اکبر کو لیکر شکار کے لئے نکل جاتے ہیں۔ شکار کھیلتے کھیلتے بوہیر اکبر پر ایک فائر کر لیتے ہیں اور اس کے گرنے کے بعد ان کا گلا کاٹ کر قتل کر دیتے ہیں ۔اس کے بعد ہنگامہ ہو جاتا ہے، پولیس آجاتی ہے اور وہ گرفتار ہو جاتے ہیں۔ عدالتی کاروائی کے بعد وہ جیل بھجوا دیے جاتے ہیں۔ جیل جا کے ان کو اپنے عمل پہ پچھتاوا ہو جاتا ہے اور ان کے اندر کا انسان جاگ اٹھتا ہے۔وہ اپنے آپ سے سوال کرتا ہے کہ یہ کیا کیا میں نے؟

حقیقت میں اس ڈرامے میں منیر احمد بادینی نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ احساس گناہ وہ سب کچھ ہے جو انسان سے ان کا آرام اور سکون چھین لیتا ہے۔ یہ دراصل احساس گناہ ہے کہ بوہیر کے سامنے کبھی اکبر کی شکل میں، کبھی پرندوں کی شکل میں اور کبھی ان کی محبوبہ مہگونگ کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے اور مکالمے کے بعد چیختا اور چلاتا ہے اور پورے جیل میں ہنگامہ کرتا ہے۔ انسان کو گناہ اور احساسِ جرم آرام سے جینے نہیں دیتا۔ نہ وہ خود سکون سے رہتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو پُر سکون رہنے دیتا ہے۔ اسی طرح مہگونگ کو اس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ کیوں ایک محبوب کے ہوتے ہوئے وہ کسی اور سے پیار کرنے لگی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عورت اپنے محبوب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے سے ملتی رہے اور اُس سے پیار کرے۔ کیا یہ گناہ اور معاشرتی روایات کے خلاف نہیں ہے؟ کیا یہ محبوب کے ساتھ بیوفائی نہیں ہے؟ جب وہ سوچتی ہے اور اس طرح کے سوالات اپنے آپ سے کرتی ہے تو ان کو اپنے گناہ کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتی ہے کہ اس پورے ہنگامے اور قتل کا سبب اور گناہگار تو وہی ہے۔ اس طرح کا رنج اور احساس گناہ ان کی زندگی کو اجیرن کر دیتے ہیں۔ ان کو چین اور آرام نہیں آتا۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ اکبر کے قتل کا سبب ہی وہی ہے، اس لئے اُسے اور بوہیر دونوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ جب وہ قتل ہو کے آج قبر میں سو رہے ہیں تو ہم کیوں زندہ ہیں۔ لہٰذا وہ بوہیر کے لئے شربت بنا کے اُس میں زہر ملاتی ہے اور جیل جانے کا فیصلہ کرتی ہے تا کہ بوہیر سے ملاقات ہو جائے اور اسے شربت پلا کر قتل کر دیا جائے، مگر ان کی بدقسمتی یہ کہ جیل سپرنٹنڈنٹ کی تفتیش اور پوچھ گچھ کی وجہ سے وہ زہر ملائے شربت کو خود پی کر اپنے اپنا خاتمہ کر دیتی ہے۔

"مہگونگ (پریشان حال اور رونے کی کیفیت میں) آج آپ نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ آج یہ زہر مجھے پینا پڑے گا۔ جیسا کہ یہ میری قسمت میں ہو کہ میں اس زہر کو پی کر اپنے آپ کو فنا کر دوں۔ محبت کی خاطر یا اپنے کیے گئے گناہوں کی خاطر۔ یا خدا سب کچھ آپ جانتے ہیں۔۔۔ مجھے کچھ پتا نہیں۔ یا خدا۔۔ یا خدا۔۔ اس کو چکر آنے لگتا ہے اور وہ کرسی پہ گر جاتی ہیں۔ اس کے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں"(18)

دوسری طرف بوہیر جو اپنے آپ کو ختم کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اب نہ ان کے پاس ان کی محبوبہ مہگونگ رہی اور نہ جگری دوست اکبر۔ اب بس جیل کی کال کھوٹری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا وہ اپنے آپ کو اپنے کمرے کے پنکھے سے لٹکا کر خودکشی کر لیتا ہے اور یہ خبر ایک سپاہی جیل سپرنٹنڈنٹ کو پہنچا دیتا ہے، جب وہ مہگونگ کی لاش کو سنبھال رہے ہوتے ہیں۔

"پولیس والا: سر جیل کے قیدی نمبر 5 نے اپنے آپ کو پنکھے کے ساتھ لٹکا کر خودکشی کی ہے، اس کی لاش وہاں لٹک رہی ہے۔

جیل سپرنٹنڈنٹ: آپ لوگ ڈاکٹر کو لے آؤ، میں جا کے دیکھتا ہوں کہ قیدی نمبر 5 نے کیوں خودکشی کی ہے۔ یہ کس طرح ہوا۔؟ اس کو ایسا کرنے کا موقع کیسے ملا۔!"(19)

منیر احمد بادینی کا ایک اور ڈرامہ "اجنبی" کے نام سے بھی چھپ چکا ہے۔ یہ ڈرامہ انھوں نے بنیادی طور پر اردو میں لکھا ہے اور ان کا شمار اردو زبان کے بہترین ڈراموں میں ہوتا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی انھوں نے زندگی کی المیے کو رقم کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان محبت اور زندگی کے المیے اور ٹریجیڈیز کس طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اختتامیہ:

اس بحث کا اختتامیہ یہ ہے کہ منیر احمد بادینی افسانہ اور ناول نگار کے علاوہ ایک اچھے اور بہترین ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ انھوں نے افسانے اور ناولوں کے علاوہ بلوچی زبان و ادب میں بہترین ڈرامے بھی تخلیق کیے ہیں۔ ان کے ڈرامے نہ صرف اچھے اور بہترین ڈرامے ہیں، بلکہ ریڈیو پاکستان کوئٹہ اور پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سینٹر سے بھی نشر ہوئے ہیں اور پسند بھی کیئے گئے ہیں۔ منیر احمد بادینی اپنے ڈراموں میں انسانی زندگی کی ہنگامہ آرائی اور المیے کو بیان کرتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کی روانی کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی کنٹرول کر سکتا ہے۔ انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ کب، کہاں اور کیسے کوئی واقعہ رونما ہوتا ہے جس سے اس کی زندگی کا زاویہ اور راستہ بدل جاتا ہے۔

******

حوالہ جات:

1۔ دشتیاری، صبا، بلوچی زبان ءُ لبزانک، جلد نمبر 2، سید ہاشمی ریفرنس لائبریری ملیر کراچی، 2007، ص۔ 19

2۔ بزدار، ڈاکٹر واحد بخش، منیر احمد بادینی: فن اور شخصیت، اکادمی ادبیات اسلام آباد، 2019، ص۔ 16

3۔ شاداب، شعیب، ڈاکٹر علی دوست، عطا شادءِ بلوچی کسمانک، لٹریری سوسائٹی، عطا شاد ڈگری کالج تربت، 2022، ص۔ 29

4۔ شاد، شرف، منیر احمد بادینیءِ گدار نویسی: شالءِ گلیں بازارءِ پژدرءَ، انسٹی ٹیوٹ آف بلوچیہ گوادر، 2022، ص۔ 47

5۔ شاد،شرف،منیر احمد بادینیءِ گدار نویسی:شالءِ گلیس بازارءِ پڑدرءَ،انسٹی ٹیوٹ آف بلوچیہ گوادر،2022،ص۔47
6۔بلوچ،رحیم مہر،منیر احمد بادینیءِ کسمانک نویسی،ماہتاک بلوچی زند نوشکی،شمارہ،9،ستمبر،2018،ص۔18
7۔ بادینی،منیر احمد،اجنبی،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2011،ص۔4
8۔بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔2
9۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔3
10۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔11
11۔۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔25
12۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔47
13۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔34
14۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔46
15۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔57
16۔ شاد،شرف،منیر احمد بادینیءِ گدار نویسی:شالءِ گلیس بازارءِ پڑدرءَ،انسٹی ٹیوٹ آف بلوچیہ گوادر،2022،ص۔50
17۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔125
18۔۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔130
19۔ بادینی،منیر احمد،امشپی سرونزنالنت،نیو کالج پبلی کیشن،کوئٹہ،2010،ص۔171